OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

اجتہادی مسائل میں نظریہ وحدت وتعدد حق

The Theory of Multi-Valued and Single-Valued Truth in Juristic Problems

اسامہ ہاشمی

پی ایچ ڈی سکالر، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد سجاد

چیئرمین شعبہ مطالعات بین المذاہب، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract

The research outlined the opinion of Muslim Jurists in the context of Multi-Valued Truth in Jurisprudential Problems. There are two methodologies in Jurisprudential Problems, namely Multi-Valued Truth and Single-Valued Truth. Both of these theories are followed by a number Muslim Jurists, who have presented their arguments from Qurʾān, Sunnah, Customs of Companions of Prophet (PBUH) and behavior of Jurist Imams. A comparative study of both of these methodologies revealed the fact that the view point of follower of Multi-Valued Truth is convincing due the presence of sound arguments, including explicit support from Qurʾān and Ḥadīth, direct inference and abundance of arguments. Moreover, the proponents of Multi-Valued Truth also analyzed and answered the objections of followers of Single-Valued Truth, which revealed the fact that most of these objections belong to Rigidity and Concession. However, all Jurisprudential Problems are not included in Multi-Valued Truth, rather, some are excluded from its domain, for instance implementation of law, judicial system, permissible and non-permissible items etc. On the other hand, most of the matters of personal lives of people fall under the category of Multi-Valued Truth.

Key words: Islāmic Jurisprudence, Jurisprudential Problems, Multi-Valued Truth, Single-Valued Truth, Rigidity, Concession

موضوع کا تعارف

علوم اسلامیہ میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا کسی مسئلے میں ہمیشہ ایک ہی رائے درست ہوتی ہے یا دو متعارض اور متباین آرا کا بیک وقت درست ہونا ممکن ہے؟ اگر منطقی پہلو سے دیکھا جائے تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ دو مخالف باتیں بیک وقت درست نہیں ہو سکتیں۔ لیکن کیا شریعت بھی اس منطقی نظریے کی تائید کرتی ہے؟ شاید نہیں۔ کیونکہ کتاب وسنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شارع نے بعض اوقات ایک ہی مسئلے میں ایک سے زائد حل مساوی طور پر یا عدم استطاعت کی شرط پر فراہم کیے ہیں۔ جیسے کہ کفارہِ قسم، حرم میں شکار کی ممانعت، حج میں قربانی کا بدل وغیرہ کے احکام میں ایک سے زائد حل مساوی طور پر فراہم کیے گے ہیں۔ نیز کفارہِ ظہار، وضوو تیمّم، قضاوفدیہ وغیرہ کئی ایک مسائل میں ایک

سے زائد حل عدم استطاعت سے وابستہ ہیں۔ اسی طرح سنت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی فعل مختلف اوقات میں مختلف طرح سرانجام دیا۔ مثلاً رفع یدین، وضو میں تعدادِ غسل، نماز میں ناف سے اوپر یا نیچے ہاتھ باندھنا، کندھوں یا کانوں تک رفع یدین کرنا، مختلف افراد کو مختلف مواقع پر مختلف احسن عمل بتانا وغیرہ یہ ثابت کرتا ہے کہ قران حکیم کی طرح سنت کا مزاج بھی یہی ہے کہ ایک مسئلے میں بیک وقت ایک سے زائد آرا درست ہو سکتی ہیں۔

البتہ اس سلسلے میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا تعدد حق کا تعلق محض انہیں مسائل سے ہے جو کتاب وسنت نے بیان کر دیے ہیں، یا تمام فروعی مسائل اس میں داخل ہیں؟ اس مقالے میں اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے پہلے تعدد صواب کے سلسلے میں فقہا کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے اور پھر ان آرا کی روشنی میں راہِ اعتدال متعین کی گئی ہے:

فروعی مسائل میں حق کا تعین

فروعی مسائل میں حق متعین نہیں ہوتا بلکہ مجتہدین اپنے اپنے اجتہادات کے ذریعے حق تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان مسائل میں فقہا کے مختلف الآرا ہونے کے باعث یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے کون سا مجتہد برسر حق ہے؟ اس ضمن میں علما کی دو آرا ہیں:

۱۔ فروعی مسائل میں حق واحد اور غیر متعین ہوتا ہے اور جو مجتہد اسے پالے وہی اجر کا مستحق ہے۔ البتہ غلطی کرنے والے کو ہدایت متعین نہ ہونے کے باعث گناہ نہیں ہوتا۔

۲۔ ظنّی مسائل کی متعدد صورتیں غیر متعین طور پر برسر حق ہوتی ہیں اور جس فقیہ نے جس بھی صورت کو اپنا لیا وہ اللہ کے نزدیک حق پر ہے۔

علماء کرام ان دونوں نقطہ ہائے نظر کے ثبوت کے لیے کتاب اللہ، سنت، تعامل صحابہ اور ائمہ مجتہدین کے اجتہادات سے دلائل پیش کرتے ہیں، جن کو ذیل میں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ وحدت حق

اجتہادی مسائل میں فقہا کے اختلاف کی صورت میں ایک رائے یہ ہے کہ ان میں سے ایک ہی مجتہد برسر حق ہوتا ہے اور باقی غلط۔ جمہور علما کا جن میں امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، ابو بکر الاصم اور ابن علیہ وغیرہ شامل ہیں، کا یہی نقطہ نظر ہے۔[۱] منصور سمعانی امام شافعی کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اختلاف کی صورت میں ایک ہی مجتہد کو برسر حق قرار دیا۔ امام شافعی کے بارے میں یہی بات بیضاوی نے بھی لکھی کہ آپ کہتے ہیں کہ ہر واقعے کا ایک معین حکم ہوتا ہے جس کے لیے کوئی قرینہ پایا جاتا ہے۔ جو مجتہد اس قرینے کو پالے وہ برسر حق ہے اور جو نہ پاسکے وہ برسر غلط، البتہ اسے گناہ نہیں ہوتا۔ نیز اگر کسی مسئلے میں دو مختلف اجتہادات کو درست مان بھی لیا جائے تو یہ دو نقیضوں کو جمع کرنے کے مترادف ہے۔[۲] وحدت حق کے قائلین نے اپنے نظریے کی تائید میں کتاب اللہ، سنت اور اقوالِ صحابہ سے جو دلائل پیش کیے ہیں، انہیں ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

قرآن حکیم اور وحدت حق

قرآن حکیم حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ نے درست فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا تھا:

﴿فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ﴾[۳]

(تو ہم نے سلیمان کو فیصلہ سمجھا دیا)

چنانچہ اگر حضرت داؤدؑ کا فیصلہ درست ہوتا تو اسے بدلنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدمے میں (حضرت داؤدؑ کا) پہلا فیصلہ درست نہ تھا چنانچہ اللہ نے اسے (حضرت سلیمان علیہ السلام کے) دوسرے فیصلے سے بدل دیا۔[۴]

غزوہ بدر کے قیدیوں کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کے اجتہاد کو اختیار کیا تو اللہ نے اسے قبول نہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ﴾[۵]

(پیغمبر کو شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہا دے)

چنانچہ اگر اس مسئلے میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ دونوں کی آرا درست ہوتی تو اللہ یہ حکم نازل نہ کرتا۔ اس آیت کی موجودگی ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اجتہاد میں ایک ہی رائے درست ہوتی ہے۔[۶] مزید براں قرآن حکیم کی دوسری متعدد آیات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حق واحد ہے۔ جن میں رسول اللہ ﷺ کا حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ کو نظر انداز کرنا[۷]، غزوہ تبوک کے بعد منافقین کے حیلے بہانے قبول کر لینا[۸]، عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کا قصد[۹] اور شہد نہ کھانے کی قسم کھانا[۱۰] وغیرہ شامل ہیں۔

سنت نبوی اور وحدت حق

سنت نبوی بھی وحدت حق ہی کی طرف اشارہ کرتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بعض ارشادات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حق واحد ہی ہے۔ اجتہاد کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(اذا حکم الحاکم فاجتهد ثم اصاب فله اجران، واذا حکم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر)[۱۱]

"جب کوئی حاکم اپنا فیصلہ اجتہاد سے کرے اور فیصلہ صحیح ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب کسی فیصلے میں اجتہاد کرے اور غلطی کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے"

اس حدیث سے یہ واضح ہے کہ جب کوئی مجتہد اجتہاد کرتا ہے تو وہ صحیح فیصلے پر بھی پہنچ سکتا ہے اور غلط پر بھی۔ اگر اجتہاد میں تمام آرا درست ہوں تو پھر حدیث میں مجتہد کے غلطی کرنے کے کچھ معنی نہ ہوئے۔ اجتہاد میں غلطی اسی صورت میں ہو گی جب اس کے بعض نتائج غلط ہوں اور مجتہد ان نتائج کو اپنا لے۔ چنانچہ اجتہاد کی صورت میں تمام نتائج درست نہیں ہوتے۔

سلیمان بن بریدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جیش کا امیر مقرر فرماتے تو اسے یہ نصیحت کرتے:

(واذا حاصرت اهل حصن فارادوك ان تنزلهم على حكم الله فلا تنزلهم على حكم الله ولكن انزلهم على حكمك فانك لا تدرى اتصيب حكم الله فيهم ام لا)[12]

"جب تم کسی قلعے والوں کو گھیر واور وہ تم سے چاہیں کہ تم اللہ کے حکم کے مطابق ان کو باہر نکالو تو انہیں اللہ کے حکم پر باہر مت نکالو بلکہ اپنے حکم پر نکالو کیونکہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ تم اللہ کے حکم کو پا سکے ہو یا نہیں"

اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حق واحد ہے کیونکہ اگر اجتہاد کے نتیجے میں تمام آرا درست ہوتیں تو رسول اللہ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ شاید تم اللہ کے حکم کو نہ پا سکے ہو کیونکہ ایسی صورت میں جو بھی راستہ اختیار کیا جاتا، وہ اللہ کا حکم ہی ہوتا۔

تعامل صحابہ اور وحدت حق

حضرت ابو بکرؓ کلالہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

(انى سأقول فيها برأى فان يكن صوابا فمن الله، وأن يكن خطأ فمنى ومن الشيطان: أراه ما خلا الولد والوالد)[13]

(اس بارے میں، میں اپنی رائے بیان کرتا ہوں۔ اگر یہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ میرے خیال میں کلالہ وہ ہے کہ جس کی نہ اولاد ہو اور نہ ہی والد)

حضرت ابو بکرؓ کا یہ کہنا کہ "اگر غلط ہے" اس امر کی دلیل ہے کہ اجتہاد کے بعض نتائج غلط بھی ہوتے ہیں۔ بصورت دیگر آپؓ کے اس ارشاد کے کچھ معنی نہ ہوئے۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک حاملہ خاتون کو طلب کیا۔ وہ اپنی طلبی سے گھبرا گئی اور اس کا حمل ضائع ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کے استفسار پر صحابہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ پر ضمان نہیں ہے جس پر حضرت علی نے ان کے اجتہاد کو غلط قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں کی اجتہادی رائے غلط ہے۔ اگر انہوں نے آپ کی قربت کی غرض سے ایسا کیا ہے تو دھوکہ دیا ہے۔ میری رائے میں آپ پر ضمان آتا ہے۔[14] اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا وراثت کے معاملے میں حضرت زید بن ثابتؓ کے بارے میں یہ کہنا کہ "کیا زید کو اللہ کا خوف نہیں ہے جنہوں نے لڑکے کے لڑکے کو تو لڑکا بنا دیا مگر باپ کے باپ کو باپ نہ بنایا"[15] ان روایات سے وحدت حق کے نظریے کی تائید ہوتی ہے۔

الغرض وحدت حق کے قائلین مندرجہ بالا آیات و روایات سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اجتہادی مسائل میں سامنے آنے والی آرا میں سے ایک ہی درست ہوتی ہے اور باقی غلط۔ اگر کسی مسئلے کے تمام حل درست ہوتے تو اللہ، رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی جانب سے مندرجہ بالا معاملات کے نتائج کی تائید کی جاتی نہ کہ مخالفت۔ چنانچہ فروعی مسائل میں اجتہاد کی صورت میں صرف ایک راستہ برحق ہوتا ہے۔ البتہ غلطی کرنے والے کو گناہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہدایت متعین نہ ہونے کے باعث معذور ہے۔

۲۔ تعدد حق

تعدد حق کے موافقین اس امر کے قائل ہیں کہ شریعت بعض اوقات ایک مسئلے میں ایک سے زائد حل مطلّقاً یا عدم استطاعت کی شرط پر فراہم کرتی ہے۔ امام شوکانی اس نقطہ نظر کو ابو بکر باقلانی، امام غزالی، امام مزنی، ابو الحسن اشعری اور معتزلہ سے منسوب کرتے ہیں۔ شوکانی، ماوردی اور الرّویانی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں "جمع جم" کے الفاظ نقل کیے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علما کی اکثریت اسی نقطہ نظر کی قائل ہے۔ نیز وہ امام ابو یوسف کی طرف بھی یہی قول منسوب کرتے ہیں کہ اجتہادی مسائل کے تمام نتائج درست ہوتے ہیں۔[۱۶] ان علما کی رائے یہ ہے کہ قرآن حکیم، سنت نبوی، تعامل صحابہ اور ائمہ مجتہدین کے اجتہادات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فروعی مسائل میں شریعت تعدد صواب کی قائل ہے اور ان مسائل میں موجود ایک سے زائد حل بیک وقت درست ہوتے ہیں۔ اس گروہ کے دلائل ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

قرآن حکیم اور تعدد حق

قرآن حکیم نے کئی مرتبہ کسی مسئلے میں ایک سے زائد حل پیش کیے گے ہیں۔ بعض اوقات یہ حل بلا کسی قید وشرط کے فراہم کیے گے ہیں، جب کہ کئی مواقع پر ایک سے زائد طرق کو عدم استطاعت سے وابستہ کیا گیا ہے۔ مکلّف ان دونوں صورتوں میں سے جس بھی راستے کو اختیار کرلے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالی کے حکم پر عمل کر کے بری الذمہ ہو گیا ہے۔ جیسے کہ قرآن حکیم نے مساوی طور پر یہ اجازت دی ہے کہ کوئی شخص قسم کے کفارے میں دس مساکین کو کھانا کھلائے یا انہیں لباس پہنائے یا ایک غلام آزاد کرے:

﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾[۱۷]

"تو اس کا کفارہ دس مساکین کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا"

مکلّف قسم کے کفارے میں ان میں سے کوئی بھی راہ اختیار کر سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں شرعی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حالتِ احرام میں شکار کرے تو قرآن حکیم اسے یہ اختیار دیتا ہے کہ اس کے بدلے چاہے تو قربانی کرے، یا مساکین کو کھانا کھلائے یا روزے رکھے۔ یہ تینوں افعال کفارہ ادا کرنے کی اہلیت میں برابر ہیں:

﴿مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ﴾[۱۸]

"جو تم میں سے جان بوجھ کر اسے مارے تو (یا تو اس کا) بدلہ (دے اور وہ یہ ہے کہ) اسی طرح کا چوپایہ جسے تم میں سے دو معتبر شخص مقرر کر دیں قربانی (کرے اور یہ قربانی) کعبے پہنچائی جائے یا کفارہ (دے اور وہ) مسکینوں کا کھانا کھلانا (ہے) یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے"

قرآن حکیم حاجی کو یہ اختیار دیتا ہے اگر اسے کسی مجبوری کی بنا پر قربانی سے پہلے سر منڈوانا پڑے تو کفارے کے طور پر روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے:

﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾[19]

"اور خدا (کی خوشنودی) کے لیے حج اور عمرے کو پورا کرو اور اگر (راستے میں) روک لیے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کردو) اور جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ۔ اور اگر کوئی تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو (اگر وہ سر منڈالے تو) اس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے"

مزید براں قرآن حکیم نے بعض مسائل میں ایک سے زائد حل فراہم کر کے انہیں عدم استطاعت سے وابستہ کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص عزیمت کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ رخصت کا اہل ہے اور اس رخصت پر عمل کرنے سے اس کا فرض ادا ہو جاتا ہے اور اس پر کسی قسم کا کوئی الزام نہیں رہتا۔ جیسے کہ ظہار سے رجوع کرنے کے لیے قرآن حکیم نے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہ ہو تو پھر دو مہینے کے متواتر روزے رکھنے اور اس میں بھی عذر کی صورت میں ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا-- فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا﴾[20]

"اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو (ان کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضروری) ہے۔۔۔ جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے (رکھے) جس کو اس کا بھی مقدور نہ ہو (اسے) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (چاہیے)"

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی ایسے مسلمان کو خطاءً قتل کر بیٹھے کہ جس سے صلح کا معاہدہ ہو تو اس کے لیے خون بہا دینا اور مسلمان غلام آزاد کرنا ضروری ہے۔ لیکن غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں قرآن حکیم اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ قاتل دو مہینے کے متواتر روزے رکھ لے:

﴿وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ﴾[21]

"اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو کہ جن میں اور تم میں صلح کا عہد ہو تو وارثان مقتول کو خون بہا دینا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے"

نیز مندرجہ بالا کفارہ قسم کی مثال میں اگر مکلّف دس مساکین کو کھانا کھلانے یا انہیں لباس پہنانے یا غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو ایسی صورت میں قرآن حکیم اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ تین روزے رکھ کر قسم کا کفارہ ادا کیا جا سکتا ہے:

﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ﴾[۲۲]

"تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے"

قرآن حکیم کی دوسری متعدد آیات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسئلے میں ایک سے زائد حل مساوی طور پر درست ہوتے ہیں۔ جن میں راہ حق میں قتل ہونے والا اور طبعی موت مرنے والا[۲۳]، روزہ کی رخصت میں سفر ومرض کو برابر قرار دینا[۲۴]، قصاص کی مختلف صورتوں کو برابر قرار دینا[۲۵]، طلاق رجعی[۲۶]، حج میں قربانی میسر نہ ہونا[۲۷]، تیمّم کو وضو کا قائم مقام قرار دینا[۲۸] وغیرہ شامل ہیں۔

سنت نبوی اور تعدد حق

سنت نبوی میں متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی عمل مختلف اوقات میں مختلف طرح سے سرانجام دیا۔ مثلاً نماز میں رفع یدین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دو مختلف عمل ثابت ہیں۔ آپؐ نے بعض اوقات محض نماز کے شروع میں رفع یدین کیا جب کہ بعض اوقات رکوع سے پہلے اور بعد میں بھی رفع یدین کیا۔ اس سلسلے میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف نماز کے ابتدا میں ایک ہی مرتبہ رفع یدین کیا:

(الا اصلی بکم صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ)[۲۹]

آؤ میں تمھیں دکھاوں کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح نماز ادا کرتے تھے؟ سو آپؐ نماز ادا کرتے اور اس میں صرف ایک مرتبہ (ابتدا میں) ہاتھ اٹھاتے تھے"

جب کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے نماز کے ابتدا میں، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی رفع یدین کیا:

(رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلاۃ رفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ واذا رکع واذا رفع رأسہ من رکوع ولا یرفع بین السجدتین)[۳۰]

"میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز شروع کرتے وقت کندھوں تک اپنے ہاتھ اٹھائے اور جب آپ رکوع میں گے اور جب رکوع سے سر اٹھایا (تو رفع یدین کیا) مگر آپ نے سجدوں کے درمیان ہاتھ نہیں اٹھائے"

اسی طرح حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس میں چار مرتبہ تکبیر کہی۔[۳۱] جب کہ نسائی کی روایت کے مطابق ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقمؓ نے نماز جنازہ میں پانچ تکبیرات کہیں اور بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔[۳۲]

قضائے حاجت کے لیے قبلہ رخ ہونے میں بھی رسول اللہ ﷺ کے دو عمل ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قبلہ کی طرح منہ یا پیٹھ کر کے قضائے حاجت سے منع فرمایا۔[۳۳] جب کہ عبد اللہ

بن عمر روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھر کی چھت پر چڑھے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے قبلہ کی طرف پشت کیے ہوئے ہیں۔[۳۴]

کتب احادیث میں بے شمار ایسی روایات موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی مواقع پر ایک ہی عمل مختلف طریقے سے سرانجام دیا۔ احادیث کے حوالے سے تعدد حق پر سب سے پہلے امام ترمذی نے کام کیا۔ انہوں نے اپنی سنن میں مختلف و متنوع احادیث کو جمع کیا اور یہ بتایا کہ ان احادیث پر کن کن صحابہ کا عمل ہے اور انہیں امت میں تواتر عملی کی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی طرح سنت نبوی سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ صرف ایک ہی عمل برحق نہیں ہوتا بلکہ کسی مسئلے میں مختلف عمل بیک وقت درست ہوسکتے ہیں۔

تعامل صحابہ اور تعدد حق

تعامل صحابہ بھی تعدد حق پر دلیل ہے۔ مختلف صحابہ ایک ہی عمل کو مختلف طرح سے سرانجام دیتے اور اختلاف رکھنے کے باوجود وہ ایک دوسرے کو برسر حق سمجھتے تھے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اپنے آپ کو مسافر خیال کر کے حج میں میدان عرفات میں دو رکعات پڑھاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں پہلے آپ بھی دو رکعات پڑھاتے رہے لیکن بعد میں اپنے آپ کو مقیم خیال کر کے چار پڑھانے کا ارادہ کیا۔ اگرچہ بعض صحابہ نے اس پر آپ سے اختلاف کیا لیکن جب حضرت عثمان نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ان سب نے آپؓ کے پیچھے ہی نماز ادا کی۔[۳۵]

مانعین زکوۃ سے جہاد کے سلسلے میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ میں اختلاف واقع ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ مانعین سے جنگ کے قائل تھے، جب کہ حضرت عمرؓ ان سے جنگ نہیں چاہتے تھے۔ لیکن جب جنگ کا فیصلہ ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے اس تمام مہم میں آپؓ کا بھرپور ساتھ دیا۔[۳۶] "قروء" کے مفہوم میں صحابہ کا اختلاف واقع ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ، عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابتؓ اس سے "طہر" مراد لیتے تھے۔ جب کہ خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ کے ہاں اس سے مراد "حیض" تھا۔[۳۷] اسی طرح بعض صحابہ نماز میں بسم اللہ پڑھتے تھے جب کہ بعض نہیں پڑھتے تھے۔ جو صحابی بسم اللہ پڑھنے کے قائل تھے ان میں بھی بعض جہراً پڑھتے اور بعض سراً۔ کچھ فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے تھے اور کچھ نہیں پڑھتے تھے۔[۳۸] بعض آگ پر پکی ہوئی چیز یا اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرتے اور بعض نہ کرتے۔[۳۹] بعض صحابہ نکسیر، قے، حجامت اور مسِّ عورت کو ناقص وضو قرار دیتے جب کہ بعض انہیں وضو ٹوٹنے کا باعث نہیں سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ صحابہ بعض اعتقادی مسائل میں بھی ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کا شب معراج میں اللہ کا دیدار کرنا[۴۰]، مردوں کا قبروں میں سننا[۴۱] وغیرہ۔[۴۲] لیکن اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کو برسر حق قرار دیتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فروعی مسائل میں حق صرف ایک نہیں ہوتا کیونکہ اگر تمام مسائل میں ایک ہی رائے درست ہوتی تو دوسری لازماً گمراہی پر مبنی ہوتی جسے صحابہ کبھی قبول نہ کرتے۔ صحابہ کے اختلاف کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں:

(ما احب ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يختلفوا)[۴۳]

"اگر اصحاب رسول اللہ ﷺ میں اختلاف نہ ہوتا تو میرے لیے یہ امر ناپسندیدہ ہوتا"

نیز قاسم بن محمد بن ابو بکر کا قول کہ :

(لقد نفع الله باختلاف اصحاب النبی علیه السلام)[۴۴]

"اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے اختلاف سے نفع پہنچایا)

اس امر کی دلیل ہے کہ اختلاف نہ صرف احسن ہے بلکہ یہ لازم نہیں کہ اختلاف کی صورت میں محض ایک ہی رائے درست ہو اور باقی تمام غلط۔

ائمہ مجتہدین اور تعدد حق

ائمہ مجتہدین اپنے اپنے فقہی مذاہب اور ان کے نتیجے میں ایک دوسرے سے اختلاف کے باوجود نہ صرف ایک دوسرے کو برسر حق سمجھتے تھے بلکہ بوقت ضرورت وہ ایک دوسرے کی آرا پر عمل بھی کیا کرتے تھے۔ مثلاً امام ابو یوسف نے ایک کنویں کے پانی سے غسل کر کے جمعہ کی نماز پڑھی۔ نماز سے فراغت کے بعد جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ اس کنویں کے پانی میں چوہا مرا ہوا تھا تو وہ کہنے لگے کہ ہم اپنے مدنی بھائیوں کے اجتہاد پر عمل کر لیتے ہیں کہ جب پانی دو قلے کے برابر ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا۔[۴۵]

امام احمد بن حنبل اس بات کے قائل تھے کہ نکسیر نواقص وضو میں شامل ہے۔ ان سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ کیا اس امام کے پیچھے نماز جائز ہے جس نے خون نکلنے پر وضو نہ کیا ہو تو امام احمد نے جواب دیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں امام مالک اور سعید بن مسیب کے پیچھے نماز نہ پڑھوں۔[۴۶]

ایک مرتبہ امام شافعی نے امام ابو حنیفہ کے مقبرے کے پاس فجر کی نماز میں دعائے قنوت نہ پڑھی۔ جب ان سے دریافت کیا گیا تو کہنے لگے کہ میں امام ابو حنیفہ کی بارگاہ میں ان کی مخالفت کیسے کر سکتا ہوں؟ ہم بھی بعض اوقات اہل عراق کا مسلک اختیار کر لیتے ہیں۔[۴۷]

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے سینگی لگوا کر (بنا تجدید وضو) نماز پڑھائی۔ امام ابو یوسف نے اس کے پیچھے نماز ادا کی اور اس کا اعادہ نہیں کیا۔ ہارون الرشید کو امام مالک نے یہ فتوی دیا تھا کہ سینگی لگوا کر وضو کرنا لازم نہیں ہے جب کہ امام ابو یوسف اس کے برعکس وضو کے قائل تھے۔[۴۸]

الغرض قرآن حکیم، سنت نبوی، تعامل صحابہ اور مجتہدین کے اجتہادات میں پائی جانے والی اَن گنت مثالوں سے تعدد صواب کے قائلین اپنے اس نقطہ نظر کو ثابت کرتے ہیں کہ فروعی مسائل میں پائی جانے والی تمام آرا بیک وقت درست ہوتی ہیں جن میں سے کسی پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔ مقلد کسی مسئلے میں موجود دو یا دو سے زائد آرا میں سے جس پر بھی عمل کر لے تو وہ اپنی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

محاکمہ

تحقیق ھذا میں وحدت اور تعدد حق کے دلائل پیش کیے گے ہیں۔ ان دلائل کے مطالعے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں گرہوں میں سے کس کی رائے درست ہے؟ اگرچہ ظاہری طور پر دونوں گرہوں کی رائے صائب معلوم

ہوتی ہے، لیکن عمیق مطالعے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ تعدد حق کے قائلین کے دلائل قوی ہیں۔ اس کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

۱۔ کتاب وسنت کی تائید

تعدد حق کے قائلین کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ شریعت اسلامیہ واضح طور پر ان کی تائید کرتی نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس وحدت حق کے قائلین کو اس طرح کی واضح تائید حاصل نہیں ہے۔ کتاب وسنت نے قطعی مسائل میں واضح طور پر وحدت حق کا نقطہ نظر اختیار کیا ہے۔ جب کہ اجتہادی مسائل میں جہاں ایک طرف شارع وحدت کے تعین میں خاموش ہے تو وہیں دوسری طرف بعض مسائل میں ایک سے زائد حل فراہم کر کے تعدد حق کے نقطہ نظر کو تقویت فراہم کی گئی ہے۔ جب کہ وحدت حق کے قائلین کو قرآن حکیم اور سنت نبوی سے ایسی واضح تائید حاصل نہیں ہے۔

۲۔ بلاواسطہ استنباط

تعدد حق کا دوسرا مضبوط پہلو ایسے دلائل کی فراہمی ہے جن سے تعدد صواب ثابت کرنے کے لیے زیادہ غور وفکر کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ یہ دلائل اظہر من الشمس ہیں کہ قاری پہلی ہی نظر میں یہ جانچ لیتا ہے کہ شریعت اسلامیہ واضح طور پر یہ کہتی ہے کہ اگر فلاں کام نہ کر سکو تو فلاں کر لو، یا کسی مسئلے کی فلاں دونوں صورتیں برابر ہیں وغیرہ۔ اس کے برعکس وحدت حق کے قائلین کو اپنے دلائل ثابت کرنے کے لیے غور وفکر اور بالواسطہ استنباط سے کام لینا پڑتا ہے، جس میں غلطی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ نیز منطقی حوالے سے بھی بلاواسطہ دلائل کو بالواسطہ دلائل پر سبقت حاصل ہوتی ہے اور منطق بھی تعدد حق کی تائید کرتی نظر آتی ہے۔

۳۔ کثرت ادلہ

اگرچہ دونوں گرہوں نے اپنے نقطہ نظر کے ثبوت کے لیے قرآن، سنت، تعامل صحابہ وائمہ مجتہدین سے دلائل پیش کیے ہیں، لیکن کثرت ادلہ کے اعتبار سے تعدد حق کے قائلین کو سبقت حاصل ہے۔ منکرینِ تعدد حق کی بنسبت ان کے دلائل اس کثرت سے ہیں کہ ان سے کلّی طور پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کسی ایک مسئلے میں بیک وقت ایک سے زائد آرا درست ہو سکتی ہیں۔ بلاشبہ وحدت حق کے قائلین نے بھی کثرت سے دلائل پیش کیے ہیں، البتہ کثرت ادلّہ کے اعتبار سے تعدد حق کے قائلین کو واضح سبقت حاصل ہے۔

۴۔ وحدت حق کے دلائل کا جواب

تعدد حق کے قائلین نے محض اپنے نقطہ نظر کے دلائل ہی فراہم نہیں کیے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے قائلینِ وحدت حق کے دلائل کے جوابات بھی دیے ہیں:

(الف) حضرت داوؑد اور حضرت سلیمانؑ کے واقعے میں (فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ)[۴۹] سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت داوؑد کا فیصلہ غلط تھا۔ مزید برآں حضرت سلیمانؑ نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ فیصلہ غلط ہے بلکہ آپؑ کا کہنا تھا کہ اگر میں ہوتا تو مختلف فیصلہ کرتا۔ اس یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اصل معاملہ افضل ومفضول کا تھا نہ کہ حق

و باطل کا۔ نیز اسی آیت کے دوسرے حصے (وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا)[۵۰] میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں انبیاؑ کو علم و حکمت اور صحیح فیصلہ کرنے کی استعداد عطا فرمائی تھی۔[۵۱]

(ب) بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں اگرچہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف حضرت عمرؓ کا مشورہ ہی درست تھا اور حضرت ابو بکرؓ کی رائے صحیح نہ تھی لیکن اس سے اگلی آیت اس غلط فہمی کو دور کر دیتی ہے:

﴿لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[۵۲]

"اگر خدا کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو یہ جو (فدیہ) تم نے لیا ہے اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا"

ان دونوں آیات کو ملا کر پڑھا جائے تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ دونوں کی آرا درست تھیں۔ پہلی آیت میں حضرت عمرؓ اور دوسری میں حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو درست قرار دیا گیا۔ چنانچہ اگر بدر کے قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا تو یہ بھی درست ہوتا اور اگر فدیہ لے لیا جاتا تو بھی درست تھا۔ کیونکہ دوسری آیت کے مطابق فدیہ لینا رسول اللہ ﷺ کی امت کے لیے جائز قرار دے دیا گیا۔ اگر ان دونوں آرا کو امام شعرانی کی میزان پر پرکھا جائے تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے تشدید اور حضرت ابو بکرؓ کی تخفیف پر مبنی تھی جو بیک وقت درست ہیں۔[۵۳]

(ج) منافقین کی توبہ قبول کرنے کے اعتبار سے بھی قرآن حکیم نے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ غلط تھا بلکہ اللہ نے آپ کو یہ تجویز دی کہ اگر آپؐ منافقین کے بہانے قبول نہ کرتے تو اس کا یہ فائدہ ہوتا کہ ان کے باطن ظاہر ہو جاتے اور عام مسلمان انہیں پہچان لیتے۔ یہ دونوں فیصلے بیک وقت درست ہیں جن میں قرآن کا فیصلہ تشدید جب کہ رسول اللہ ﷺ کا تخفیف پر مبنی تھا۔

(د) اسی طرح حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کے واقعے میں بھی قرآن حکیم نے آپ کے فعل کو غلط قرار نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ آپؐ کے اجتہاد کے جو دو نتائج سامنے آئے (ایک قریش کی طرف توجہ کرنا اور دوسرا حضرت عبداللہؓ کی طرف توجہ کرنا) ان میں افضل یہ تھا کہ آپؐ حضرت عبداللہؓ کی طرف توجہ کرتے کیونکہ قریش بے پرواہ ہیں اور آپؐ کی بات نہیں مانتے۔ چنانچہ اس معاملے کا تعلق افضل و مفضول سے ہے نہ کہ حق و باطل سے۔

(ہ) رسول اللہ ﷺ کا شہد نہ کھانے کی قسم کا تعلق اجتہاد سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق حلال و حرام سے ہے اور جس چیز کو اللہ نے حلال قرار دیا ہو اسے کوئی شخص اپنے اجتہاد سے حرام قرار نہیں دے سکتا۔ چنانچہ یہ مسئلہ اجتہادی مسائل سے خارج ہے۔

(و) رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کے معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ اصول بیان فرمادیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ان کے لیے توبہ طلب کرنا یا نہ کرنا برابر ہے کیونکہ توبہ کے لیے ایمان شرط ہے۔ چونکہ اس مسئلے کا تعلق بھی اصول و قواعد سے ہے چنانچہ یہ مسئلہ بھی اجتہادی مسائل میں شامل نہیں ہے۔

(ز) وہ حدیث جس میں غلطی کرنے والے مجتہد کے لیے ایک اجر کا ذکر ہے یہ ثابت نہیں کرتی کہ اس کا فیصلہ باطل ہے۔ اگر غلطی کرنے والے مجتہد کا فیصلہ باطل ہو تو وہ اس پر گناہ کا مستحق ہے نہ کہ اجر کا۔ اس مسئلے کا

تعلق افضل ومفضول سے ہے۔ جیسے عزیمت ور خصت دونوں برحق ہیں البتہ اگر کوئی عزیمت پر عمل نہ کر سکے تو وہ رخصت کا اہل ہے لیکن یہ رخصت بھی برحق ہے نہ کہ باطل۔ امام شعرانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد کسی مسئلے کے حکم کا اس کی دلیل کے مطابق نہ ہونا ہے کیونکہ اگرا گر کوئی ایسا حکم ہو جو سرے سے شریعت سے ہی خارج ہو تو اس پر کوئی اجر نہیں ہونا چاہیے (چہ جائے کہ ایک اجر ہو)۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد)[٥٤]

"جو شخص ایسا کام کرے جس کے لیے ہمارا حکم نہ ہو تو وہ کام مردود ہے"

جب کہ مذکورہ بالا حدیث میں مجتہد کے لیے خطا پر بھی ایک اجر ہے کیونکہ اس کا قول شریعت سے باہر نہیں ہوتا بلکہ اس کی دلیل کمزور ہوتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں خطا سے مراد خطائے اضافی ہے نہ کہ خطائے مطلق۔[٥٥]

(ح) کسی قلعے والے کو اللہ کے حکم پر باہر مت نکالو کیونکہ تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ کا حکم کیا ہے۔ اس دلیل کا تعلق بھی حق و باطل سے نہیں بلکہ افضل ومفضول سے ہے۔

(ط) حضرت ابو بکرؓ کا کلالہ کے بارے میں یہ کہنا کہ اگر یہ رائے غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے، آپؓ کے محتاط رویے کا مظہر ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ اس مسئلے میں اللہ کی منشا نامعلوم ہے۔ چنانچہ یہ ممکن ہے کہ جو رائے ہم اختیار کریں وہ عزیمت کے بجائے رخصت پر مبنی ہو اور ہم عزیمت کے اہل ہوتے ہوئے بھی رخصت پر عمل کرنے لگ جائیں۔

(ی) حضرت عمر کی طلبی پر حاملہ عورت کا حمل ضائع ہو جانا ایسا فعل ہے جس میں حضرت عمرؓ پر ضمان جاری ہونا یا نہ ہونا دونوں آرا برابر ہیں۔ حضرت علیؓ کی رائے کا تعلق تشدید جب کہ دیگر صحابہ کی رائے کا تعلق تخفیف سے ہے۔ حضرت علیؓ کی رائے کے درست ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حمل ضائع ہونے کے وجہ حضرت عمرؓ کا خوف بنا، جب کہ دوسری رائے کے درست ہونے دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے صرف اس خاتون کو طلب فرمایا تھا جس کے نتیجے میں حمل ضائع ہو جانے میں آپؓ کا کوئی قصور نہ تھا۔

نتائج بحث

۱۔ تعدد حق کے قائلین کو قوت دلیل کی بنا پر فوقیت حاصل ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اجتہادی مسائل میں بیک وقت ایک سے زائد آرا درست ہوتی ہیں۔

۲۔ کسی مسئلے میں موجود ایک سے زائد آرا کا تعلق بعض اوقات تشدید و تخفیف سے ہوتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اگر ایک فقیہ کی رائے متشدد ہے تو دوسرے کی لازماً مخفف ہوگی۔

۳۔ تعدد حق کے قائلین کو جن وجوہ کی بنا پر فوقیت حاصل ہے ان میں کتاب وسنت کی تائید، بلاواسطہ استنباط اور کثرت ادلہ قابل ذکر ہیں۔

۴۔ تعدد حق تمام فروعی معاملات کا احاطہ نہیں کرتا جیسے کہ نفاذ قانون، نظام قضاء حرام وحلال ودیگر اجتماعی معاملات۔

۵۔ نجی زندگی کے بیشتر امور تعدد حق کے ضمن میں داخل ہیں اور افراد اپنے ذاتی معاملات میں تعدد سے کام لے سکتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱ شوکانی، محمد بن علی بن محمد۔ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول۔ طبع اول، بیروت: دار الکتب العربی، ۱۹۹۹ء۔ ج ۲ ص ۲۳۱۔

۲ سبکی، تاج الدین عبدالوھاب بن علی۔الابھاج فی شرح المنھاج علی منھاج الوصول الی علم الاصول۔ طبع اول، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۴ھ۔ ج ۳ ص ۲۵۹۔

۳ سورۃ الانبیاء ۲۱:۷۹

۴ تفصیل کے لیے دیکھیے: الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر۔تاریخ الامم والملوك. طبع اول، ج ۱، ص ۲۸۷، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۵ سورۃ الانفال ۸:۶۷

۶ مسلم، بن حجاج۔الجامع الصحیح- کتاب الجهاد والسیر، باب الامداد بالملائكة فی غزوة البدر واباحة الغنائم، حدیث ۱۷۶۳۔

۷ سورۃ عبس ۸۰:۱

۸ سورۃ التوبہ ۹:۴۸

۹ سورۃ التوبہ ۹:۸۴

۱۰ سورۃ التحریم ۶۶:۱

۱۱ البخاری، الجامع الصحیح -کتاب الاعتصاب بالکتاب والسنة، باب اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب او اخطاء، حدیث ۷۳۵۲۔

۱۲ مسلم، بن حجاج۔الجامع الصحیح- کتاب الجهاد والسیر، باب جواز الاغارة على الكفار الذين بلغتهم دعوة الاسلام من غير تقدم الاعلام بالاغارة، حدیث ۱۷۳۱۔

۱۳ البیہقی، احمد بن حسین۔السنن الصغریٰ- کتاب الفرائض، باب فی الکلالة، ج ۲ ص ۱۸۴، حدیث ۲۳۸۷، م۔ن، ت۔ن۔

۱۴ جصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی۔الفصول فی الاصول۔ طبع دوم، کویت: وزارۃ الاوقاف الکویتیہ، ۱۹۹۴ء۔ ج ۳ ص ۲۸۶۔

۱۵ آمدی، ابو الحسن علی۔الاحکام فی اصول الاحکام۔ طبع اول، بیروت: دار الکتب العربی، ۱۴۰۴ھ۔ ج ۱ ص ۲۹۹۔

١٦ شوکانی، محمد بن علی بن محمد۔ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول۔ طبع اول، بیروت: دار الکتب العربی، ١٩٩٩ء۔ ج ٢ ص ٢٣١۔
١٧ سورۃ المائدہ ٥:٨٩
١٨ سورۃ المائدہ ٥:٩٥
١٩ سورۃ البقرہ ٢:١٩٦
٢٠ سورۃ المجادلہ ٥٨:٣،٤
٢١ سورۃ النساء ٤:٩٢
٢٢ سورۃ المائدہ ٥:٨٩
٢٣ سورۃ آل عمران ٣:١٥٧
٢٤ سورۃ البقرہ ٢:١٨٤
٢٥ سورۃ المائدہ ٥:٣٢
٢٦ سورۃ البقرہ ٢:٢٣١
٢٧ سورۃ البقرہ ٢:١٩٦
٢٨ سورۃ النساء ٤:٤٣
٢٩ نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب۔السنن- کتاب التطبیق، باب الرخصة فی ترك ذلك، حدیث ١٠٥٨۔
٣٠ ابن ماجہ، السنن- کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب رفع الیدین اذا رکع واذا رفع رأسه من الرکوع، حدیث ٨٥٨۔
٣١ نسائی، السنن- کتاب الجنائز، باب الصفوف علی الجنائز، حدیث ١٩٧٠۔
٣٢ ایضاً۔باب عدد التکبیر علی الجنائز، حدیث ١٩٨٢۔
٣٣ البخاری، الجامع الصحیح -کتاب الوضوء، باب لا تستقبل القبلة بغائط او بول الا عند البناء جدار او نحوه، حدیث ١٤٤۔
٣٤ ایضاً۔باب التبرز فی البیوت، حدیث ١٤٨۔
٣٥ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحق۔السنن- کتاب المناسك، باب الصلوة بمنی، حدیث ١٩٦٢۔
٣٦ البخاری، محمد بن اسماعیل۔الجامع الصحیح - کتاب الزکاة، باب اخذ الاعناق فی الصدقة، حدیث ١٤٥٧۔
٣٧ محبوبی، عبداللہ بن مسعود۔شرح التلویح علی التوضیح لمتن التنقیح فی اصول الفقة۔بیروت: دار الکتب العلمیة، ١٩٩٦ء۔ ج ١ ص ٦١۔
٣٨ حضرت عمرؓ، علیؓ، ابو موسی، انسؓ، ابن عباسؓ، براء بن عازبؓ، عمر بن عبد العزیز، ابان بن عثمان فجر میں قنوت پڑھتے تھے۔ حضرت عمر اور ابن عباسؓ سے اس کے خلاف بھی روایت ہے۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ، عثمانؓ، ابو درداءؓ، ابن عمرؓ، سعید بن جبیر فجر کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

۳۹ حضرت ابوہریرہؓ آگ پر پکی ہوئی چیز کھا کر وضو کا فتوی دیتے جب کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے آگ پر پکی ہوئی چیز کھا کر وضو نہیں کیا۔

۴۰ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اللہ کو دیکھنے کے قائل تھے جب کہ حضرت عائشہؓ قائل نہیں تھیں۔

۴۱ حضرت ابوہریرہؓ مردوں کے سننے کے قائل تھے جب کہ حضرت عائشہؓ کی رائے اس کے برعکس تھی۔

۴۲ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید۔ تهذيب الآثار وتفصيل الثابت عن رسول الله من الاخبار۔ قاہرہ: مطبۃ المدنی، ت۔ن۔ ج۱ص۳۴۸۔

۴۳ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف۔ جامع بيان العلم وفضله۔ طبع اول، سعودی عرب: دار ابن الجوزی۔ ج۲ص۹۰۱۔

۴۴ شاطبیؒ، ابواسحٰق ابراہیم بن موسیٰ۔ الموافقات فی اصول الشریعه۔ طبع اول، قاہرہ: دار ابن عفان، ۱۹۹۷ء۔ ج۵ص۶۷،

۴۵ دھلوی، شاہ ولی اللہ۔ حجة الله البالغه۔ طبع اول، بیروت: دار الجیل۔ ۲۰۰۵ء۔ ج۱ص۲۷۰۔

۴۶ ایضاً۔

۴۷ ایضاً۔

۴۸ ایضاً۔

۴۹ سورۃ الانبیاء۲۱:۷۹

۵۰ ایضاً

۵۱ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام۔ ج۴ص۱۷۳۔

۵۲ سورۃ الانفال۸:۶۷

۵۳ شعرانی، عبدالوھاب۔ المیزان الکبری۔ بیروت: عالم الکتب، ۱۹۸۹ء۔ ج۱ص۶۷۔

۵۴ مسلم، بن حجاج۔ الجامع الصحیح- کتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة ورد محدثات الامور، حدیث۱۷۱۸۔

۵۵ شعرانی، المیزان الکبری۔ ج۱ص۱۴۲۔